# ٹوبہ ٹیک سنگھ کی کثرتِ تعبیر؛ابہام کی جمالیات

Dr. Muhammad Rashid Saeedi
Lecturer, Department Of Urdu,
The Islamia University Of Bahawalpur, Pakistan

**Abstract:** Saadat Hasan Manto holds a distinctive place in the tradition of short story writing, celebrated for his unconventional themes and innovative narrative techniques. Like all great writers, Manto infused his texts with layers of complexity and multidimensionality, deliberately avoiding simplicity and linearity. This richness in depth not only enhances the interpretive possibilities of his work but also invites critics from diverse intellectual perspectives to engage with his stories. These critics, through their varied analyses, derive meanings that resonate with their own critical frameworks, thereby enriching the discourse surrounding Manto's literary art. Despite his controversial reputation, Manto remains one of the most extensively critiqued and analyzed authors in Urdu literature.These critics function as interpreters of Manto's fictional universe, contributing significantly to the understanding of his artistic vision, worldview, and the philosophical underpinnings of his work. While some have hailed him as a progressive realist deeply rooted in social

realism, others have dismissed him as being indifferent to class consciousness and societal concerns. This divergence gives rise to a pivotal question: what interpretive methods and semantic frameworks have critics employed to extract meanings from Manto's stories?To explore this question, the present paper critically examines select interpretations of Manto's "Toba tek Singh" as a case study to analyze the hermeneutic and semantic strategies employed by critics. This comparative approach sheds light on the interpretive practices applied to Manto's literary oeuvre.

---

**Keywords**: Manto, Afsana, Partition, Interpretation, Semantics, Hermeneutics, Multiplicity of Meaning.

کسی بھی زبان کا ادب، اپنے زمانی دائرہ کے مزاج، مسائل اور امکانات کا امین ہوتا ہے۔ اس بات کو یوں بھی کہا جاسکتا ہے کہ کسی بھی عہد کی فکریات (episteme) بہر صورت اس دور کی تخلیقات پر اثرانداز ہوتی ہے؛ اور تخلیق اس سے کسی طور ماورا نہیں ہوسکتی۔ اس نکتے سے فوری طور پر یہ اندیشہ جنم لیتا ہے کہ تخلیقی متن کی معنویت اس عہد کے بعد کیا ہوگی؟ تو اس کا جواب کسی بھی متن کو تخلیقی اور ادبی تسلیم کرنے سے مل جاتا ہے۔ ادیب، یا یوں کہیں بڑا ادیب؛ کلی طور پر زمانے کے اثر کے تحت نہیں لکھتا، بلکہ فن کا پختہ اور متحرک شعور اسے وہ کرافٹ، اسلوب اور برتاؤ فراہم کرتا ہے کہ اس کی تخلیق، لمحہ موجود اور عہدِ آمدہ میں بھی بامعنی قرار پاتی ہے۔ [1] بڑا ادیب اپنے متن میں موضوع اور معانی کو واضح، یک رخا اور اکہرا رکھنے کی بجائے تہہ دار اور ہمہ گوں بناتا ہے۔ اس عمل سے ادبی متن کی عمر اور اہمیت بڑھ جاتی ہے لیکن یہ گہرائی اور ہمہ گونی کثرتِ تعبیر کا راستہ بھی ہموار کر دیتی ہے۔ اسی راستے سے ہمہ قسم کے ناقدین آتے ہیں اور فن پارے سے مطلوب و مقصود موجود معانی اخذ کر کے اپنے تئیں توقیر پاتے ہیں۔

ہمارے ہاں سعادت حسن منٹو کا معاملہ بھی کچھ ایسا ہی ہے۔ کسی نے سماجی حقیقیت نگاری کی بنیاد پر منٹو کو حقیقی ترقی پسند قرار دیا تو کسی نے اسے طبقاتی شعور اور معاشرتی دردمندی سے بے بہرہ سمجھا۔ سماج کو متعین اخلاقی اصولوں پر چلانے کے خواہش مند منٹو کو کبھی قبول نہ کر سکے اور اسے مریض اور فحش نگار ہی سمجھتے رہے۔ وقت بے رحم ہے اور فیصلہ کن بھی؛ جب وقت کی روانی منٹو کی افسانوی دھار کو کند نہ کر سکی، گزرتے عہد کی گرد اس کی شبیہ کو دھندلا نہ سکی تو سرحد کی دونوں طرف منٹو کو تسلیم کرتے ہی بنی۔ تاہم طرفین کی ضروریات اور ترجیحات کے مطابق مخصوص ''منٹو'' درکار

تھاجو متنوع، متضاداور متنازعہ تعبیرات کے ذریعے تشکیل دیا گیا۔ جنس اور تقسیم؛ منٹو کے دو بڑے موضوعات ہیں، ان سے متعلق ان کے درجنوں افسانے موجود ہیں، جن کی سینکڑوں تعبیرات، منٹو کے افسانوں کی تہہ داری، ناقدین کی ان سے دلچسپی، اور شرح و تعبیر کے ہمہ جہت حربوں کی موجودگی پر دال ہیں۔ اس صورت حال میں فی الوقت ہماری دلچسپی صرف دو سوالوں کے جوابات تلاش کرنے میں ہے۔ منٹو کے ناقدین کے ہاں کون سا طریق نقد یا تصورِ معنی یا تعبیری حربہ تھا، جس کی بنیاد پر انھوں نے منٹو کے افسانوں کی تعبیرات کیں؟ دوسرا یہ کہ ان تعبیرات سے منٹو کی افسانوی کائنات پر کیا اثر پڑا؟ ان سوالوں کے درست اور کامل جوابات کے لیے تمام منٹو تنقید کا محاسبہ ضروری ہے، تاہم یہاں ہم منٹو کا افسانہ ''ٹوبہ ٹیک سنگھ'' اور اس کی منتخب تعبیرات کا تجزیہ کر کے نتائج اخذ کرنے کی کوشش کریں گے۔

'' ٹوبہ ٹیک سنگھ'' کے انتخاب کی کئی وجوہ ہیں۔ یہ منٹو کا معروف، مقبول اور متنازعہ افسانہ ہے، جو موضوع کی بنا پر عوام کو، کرافٹ اور فنی پختگی کی بنیاد پر ناقدین کو عزیز ہے۔ پھندنے (۱۹۵۴ء) میں شامل یہ افسانہ انھوں نے وائی ایم سی اے حال میں منعقدہ ایک تنقیدی نشست میں پیش کیا تھا، پڑھتے وقت منٹو کا انداز رعونت سے بھرپور تھا، پڑھنے کے بعد منٹو تنقیدی آراء سنے بغیر فوراً اٹھ کر چلے گئے۔ ایک پاگل خانے اور اس میں موجود پاگلوں کی کیفیات پر مشتمل یہ افسانہ، اپنے اندر معانی کی کائنات لیے ہوئے ہے۔ دراصل منٹو اس افسانے کی تخلیق سے قبل دو مرتبہ پاگل خانے میں رہ چکے تھے۔ وجہ ان کی کثرت شراب نوشی بنی، کہ اسے ترک کرنے کے لیے جبراً یہ فیصلہ کیا گیا، اور یہ بھی ہے کہ اس دور میں ترکِ منشیات کے حوالے علیحدہ بحالیِ صحت کے مراکز نہیں ہوتے تھے، چنانچہ ایسے مریضوں کو باقاعدہ ذہنی مریضوں کے ساتھ ہی رکھا جاتا تھا۔ تیقن سے کہا جاتا ہے کہ ''ٹوبہ ٹیک سنگھ'' میں کمالِ فن کا مظاہرہ کرنے کے لیے منٹو کو پاگل خانے کا تجربہ اور مشاہدہ بہت کام آیا ہوگا۔ اپنے تخلیقی سیاق سے قطع نظر یہ افسانہ اپنے اندر ایک تہہ داری اور ایک خاص طرز کا ابہام رکھتا ہے؛ جس کے باعث معنی؛ یعنی مصنف کا نقطۂ نظر واضح، متعین اور ٹھوس ہونے کی بجائے تحلیل اور معلق ہو جاتا ہے۔ اسلوب اور بنت کی بنیاد پر، مصنف کے رکھے ہوئے شعوری رخنے نقاد کو یہ جواز فراہم کرتے ہیں کہ وہ واحد کی بجائے کثیر تعبیرات سامنے لا سکے۔

اس افسانے میں تقسیم ہند کے بعد کی صورتِ حال کو موضوع بنایا گیا ہے۔ تقسیم اور فسادات کے باعث طرفین سے ہندو، سکھ اور مسلمانوں نے ہجرت کر لی، تو سیمیناروں اور کانفرنسوں میں غور و خوض کے بعد یہ فیصلہ کیا گیا کہ پاگل خانوں میں موجود وہ پاگل، جن کے رشتہ دار ہجرت کر چکے ہیں، کو ان کے متعلقہ ملک کے پاگل خانوں میں منتقل کر دیا جائے۔ اس منتقلی کے اعلان کے بعد پاگل خانوں میں موجود پاگلوں کی نفسیاتی کیفیات کو '' ٹوبہ ٹیک سنگھ'' میں کمال فن کے ساتھ پیش کیا گیا ہے۔ مختلف پاگلوں کے ہندوستان کی تقسیم اور تشکیل پاکستان کے حوالے سے محسوسات اور ان کا اظہار، اس افسانے میں ایک ایسی فضا تشکیل دیتے ہیں جو اس منظر نامے کا حقیقی اظہاریہ کہلانے کی حق دار ہے، اور دلچسپ بات یہ ہے کہ آج بھی افسانہ اپنی معنویت برقرار رکھے ہوئے ہے۔

'' ٹوبہ ٹیک سنگھ'' کا مرکزی کردار بشن سنگھ ٹوبہ ٹیک سنگھ کا رہائشی ہے جو پندرہ سال سے پاگل خانے میں ہے، ہمیشہ کھڑا رہتا ہے، سوتا بھی کھڑے کھڑے ہے یا کبھی دیوار سے ٹیک لگا لیتا ہے۔ اتنے سالوں میں بڑی ہو جانے والی بیٹی کو پہچاننے سے قاصر ہے، تاہم ہر ماہ اپنے رشتہ داروں کی آمد سے پہلے نہا دھو کر تیار ہو جاتا ہے۔ اکثر لایعنی الفاظ دہراتا رہتا ہے۔ تقسیم کے بعد پاگلوں کی منتقلی کا سن کر فکر مند ہوتا ہے کہ پتہ نہیں اس کا علاقہ ٹوبہ ٹیک

سنگھ پاکستان میں ہو گا یا ہندوستان میں۔ منتقلی کے وقت جب اسے پتہ چلتا ہے کہ ٹوبہ ٹیک سنگھ پاکستان میں ہے اور اسے ہندوستان لے جایا جا رہا ہے تو وہ بے چین ہو جاتا ہے اور بالآخر نو مینز لینڈ پر اوندھے منہ گر کر مر جاتا ہے۔[ii] افسانے میں میں فقط بشن سنگھ ہی نہیں، ہر کردار، اس کی کیفیت اور مکالمہ تفہیم و تعبیر کا متقاضی ہے ، راقم کی طرف سے افسانے کی تعبیر کرنے کی کی بجائے افسانے کے چند پہلو درج کیے جاتے ہیں، جن پر مختلف ناقدین کی تعبیری آراء کا جائزہ لیا جائے گا۔

ا۔ باقاعدگی سے زمیندار اخبار پڑھنے والے ایک پاگل سے جب کسی نے پوچھا کہ " مولبی ساب! یہ پاکستان کیا ہوتا ہے؟" تو اس نے بڑے غور و فکر کے بعد جواب دیا، " ہندوستان میں ایک ایسی جگہ ہے جہاں استرے بنتے ہیں؟"

۲۔ جھاڑو دیتے ہوئے ایک پاگل درخت پر چڑھ گیا اور وہیں ایک ٹہنی پر بیٹھ کر اس نے تقسیم کے نازک مسئلے پر دو گھنٹے تقریر کی، بعد ازاں اس نے یہ کہہ کر نیچے آنے سے انکار کر دیا کہ نہ وہ ہندوستان میں رہے گا نہ پاکستان میں، بلکہ وہ درخت پر ہی رہے۔ ڈرا دھمکا کر جب اسے نیچے اتارا گیا تو وہ بلا تفریق مذہب ساتھی پاگلوں سے گلے مل کر روتا رہا۔

۳۔ ایک دن نہاتے نہاتے ایک مسلمان پاگل نے، پاکستان زندہ باد، کا نعرہ اس زور سے بلند کیا کہ فرش پر پھسل کر گرا اور بے ہوش ہو گیا۔

۴۔ بعض پاگل ایسے بھی تھے جو پاگل نہیں تھے، ان میں اکثریت ایسے قاتلوں کی تھی جن کے رشتہ داروں نے افسروں کو دے دلا کر پاگل خانے میں بھجوا دیا تھا کہ وہ پھانسی کے پھندے سے بچ جائیں۔

۵۔ خود کو محمد علی جناح سمجھنے والے موٹے مسلمان اور خود کو ماسٹر تارا سنگھ سمجھنے والے ہندو کے درمیان جھگڑا ہوتا ہے، خونریزی کے خدشے کے پیشِ نظر انھیں الگ کر دیا جاتا ہے۔

۶۔ انھی پاگلوں میں ایک ایم ایس سی پاس مسلمان ریڈیو انجینئر بھی تھا، جس نے اس اپنے تمام کپڑے اتار کر ننگ دھڑنگ پھرنا شروع کر دیا۔

۷۔ ایک نوجوان ہندو وکیل جس کی محبت امرتسر تھی، جب اسے بتایا گیا کہ امرتسر ہندوستان کا حصہ بن گیا ہے تو وہ ہندو مسلم سبھی لیڈروں کو گالی دیتا تھا، لیکن جب منتقلی کی بات آئی تھی تو وہ پریشان ہو گیا کہ وہاں اس کی پریکٹس نہیں چلے گی۔

اسی طرح کرداروں کی کچھ اور کیفیات اور مکالمے جو افسانے کو ایک نامیاتی کل کی شکل دیتے ہیں۔ اور جن کی بنیاد پر توقع کی جاتے ہی کہ افسانے کی ہر ایک تعبیر میں ان جہات کو پیشِ نظر رکھا جائے گا، نہ کہ افسانے کے متن سے گریز کر کے کسی خیال کو سچ ثابت کیا جائے گا اور اسے افسانے کی (حقیقی) تفہیم و تعبیر کہا جائے گا۔ ذیل میں انھی نکاتِ کے پیشِ نظر "ٹوبہ ٹیک سنگھ" کی کچھ تعبیرات کا جائزہ لیا گیا ہے۔

بھارت سے متعلق وارث علوی فکشن کے معتبر نقادوں میں شمار ہوتے ہیں۔ ان کا طرزِ استدلال، اور طریقِ تعبیر کافی متاثر کن اور مستند سمجھا جاتا ہے۔ ان کی کتاب منٹو ایک مطالعہ میں ایک مضمون " ٹوبہ ٹیک سنگھ" موجود ہے جو اس افسانے کی باقاعدہ تفہیم، تنقید اور تعبیر پر مشتمل ہے۔

اپنے مضمون کے آغاز میں وہ افسانے کو تہہ دار اور معنویت سے بھرپور قرار دیتے ہیں جس کی تعبیر کی طرف لوگوں نے توجہ نہیں دی۔ وارث علوی بھی افسانے کی تفہیم و تعبیر سے پیشتر اس کا سیاق فراہم کرتے ہیں، جس میں تقسیم اور ہجرت کو انسانوں کی ہیرا پھیری قرار دیتے ہیں جس سے لاکھوں لوگوں کی روح پر چرکے لگے، لوگ بے جڑ ہو گئے، اور انسانوں کے حصے میں تباہی اور رائیگانی آئی، جس کا بوجھ تاریخ نہیں اٹھاتی بلکہ ان '' فضولیات '' کا بوجھ ادب کو اٹھانا پڑتا ہے، اور منٹو نے ''ٹوبہ ٹیک سنگھ'' کے بشن سنگھ کے ذریعے اس رائیگانی کا اظہار کیا ہے۔ وارث علوی نے ابتدا ہی میں افسانے میں موجود پاگل خانے کو علامت جان کر اس کی تعبیر کر دی اور آج تک اس کا ثبوت فراہم کرتے رہے، لکھتے ہیں:

"وجہ یہ ہے کہ ملک کے تقسیم ہوتے ہی بشن سنگھ جس پاگل خانے میں تھا، اس کے باہر بھی ایک بڑا پاگل خانہ کھل گیا تھا۔ اس پاگل خانے کی تعمیر ملک کے ہوش مند سیاستدانوں کے ہاتھوں ہوئی تھی۔ رات کے رات جغرافیہ بدل گیا، روابط اور وابستگیاں بدل گئیں۔ اور لوگ بہ تمام ہوش مندی ایک ملک سے دوسرے ملک ہجرت کرنے لگے۔ یہ ایک اجتماعی پاگل پن تھا، جس کی مضحکہ خیز صورتیں ابھی سامنے آنے ہی نہ پائی تھیں کہ جڑوں سے اکھڑنے کے کرب پر ہولناک فسادات کی تاریکیاں چھانے لگیں۔ [iii]"

باقاعدگی سے زمیندار اخبار پڑھنے والے پاگل سے جب کسی نے پوچھا کہ ' مولبی صاحب! یہ پاکستان کیا ہوتا ہے؟' تو اس نے بڑے غور و فکر کے بعد جواب دیا، ' ہندوستان میں ایک ایسی جگہ ہے جہاں استرے بنتے ہیں؟'۔ یا نہاتے نہاتے مسلمان پاگل کا زور سے نعرہ لگانا، پاکستان زندہ باد، اور غسل خانے میں گر جانا، افسانے کے قابل غور، لائق تعبیر جملے تھے، جن کی تعبیر وارث علوی نے کچھ یوں کی یہ لاہور کا یہ پاگل خانہ باہر کی دنیا کی علامت نہیں، بلکہ اس کا ہی روپ ہے۔ فرق کیفیت کا نہیں بلکہ کمیت کا ہے باہر بھی لوگ، سڑکوں اور بازاروں میں ایسی ہی حرکتیں کرتے ہیں جیسی کہ پاگل خانے میں۔ وارث علوی متن کو سیاق سے جوڑ کر ہی معنی اخذ کر رہے ہیں لیکن ''لاہور کا یہ پاگل خانہ'' کہنے کے کے بعد 'باہر' کے معنی ہندوستان کے نہیں رہتے، پاکستان کے ہو جاتے ہیں، جو استدلال کو معروضی کے بجائے موضوعی کر دیتے ہیں۔ منٹو کے افسانے میں معنی عمومی ہیں، تعبیر میں خصوصی معنی پہنانے میں بھی ہرج نہیں، لیکن پہلے سے متعین معنی کو افسانے میں سمونا تعبیریت کے اصولوں کی خلاف ورزی ہے۔ متعین معنی کی بنیاد دراصل ان ہندوستانی مسلمانوں کی ذہنیت ہے جنھوں نے تقسیم کے وقت پاکستان ہجرت کرنا مناسب نہیں سمجھا۔ وارث علوی کے بقول:

"لیکن حقیقت ہے مت سب کی ماری گئی تھی، بہ تمام ہوش مندی لوگ اپنے آبائی گھروں کو ترک کر رہے تھے، اپنی پشتوں کے وطن کو چھوڑ کر جا رہے تھے، گویا زمین کے ساتھ ان کا تعلق ہی نہیں رہا۔ [iv]"

جب ایک نقاد تعبیر کا ارادہ کر کے افسانے کا تجزیہ کرتا ہے تو اس سے افسانوی متن کی تعبیر کی توقع کی جاتی ہے، نہ کہ معنی کے تعین کی مسلسل کوشش۔ وارث علوی بشن سنگھ کی تمام ترکیفیات جنوں کی بنیاد اس کے زمین سے رشتے اور دھرتی سے تعلق کو قرار دیتے ہیں، جس سے جدا ہونے کا

احساس ہی اسے موت کے حوالے کر دیتا ہے۔ کھڑے ہوئے شخص کے گر کے مرنے پر وارث علوی کہتے ہیں کہ درخت کا ستعارہ مکمل ہو گیا۔ کوئی بڑا درخت گرتا اسی دھرتی پر ہے جس کی کوکھ سے اس کا بیج پھوٹا ہوتا ہے۔ بشن سنگھ کی موت واقعی ایک تحیر انگیز المیہ بن کر قاری کے سامنے آتی ہے، جو اس نوعیت کے کئی سوال کھڑے کر دیتی ہے، تاہم وارث علوی کو یہ نہیں بھولنا چاہیے تھا کہ پندرہ سال سے سیدھا کھڑا رہنے والا بشن سنگھ پاگل خانے میں پاگل ہو کر آیا تھا، نہ کہ وہ کوئی قاتل تھا جو پاگل خانے میں آنے کے بعد تقسیم ہند کا سن کر پاگل ہوا تھا۔ وارث علوی کا یہ مضمون دلچسپ ہے، پر لطف ہے۔ نثر لاجواب ہے، لیکن کسی نوعیت کے فنِ تعبیر (Hermeneutics) اور تصورِ معنی سے تہی۔ جس کی قدر کی جا سکتا سکتی، متاثر ہوا جا سکتا ہے لکن اسے معروضی کسی طور پر نہیں کہا جا سکتا۔

شافع قدوائی بنیادی طور پر ابلاغیات کے آدمی ہیں تاہم پاک و ہند میں ان کی شناخت، تنقید بالخصوص تھیوری اور اس کے اطلاقی شعور کے حوالے سے مسلمہ ہے۔ ان کا ایک مضمون ''نیشن بطور بیانیہ اور منٹو کا افسانوی متن'' کے عنوان سے منظر عام پر آیا۔ اس میں اگرچہ انھوں نے ''ٹوبہ ٹیک سنگھ'' کی باقاعدہ تعبیر نہیں کی تاہم میں اس افسانے کا فیصلہ کن تعبیری تذکرہ لائق توجہ ہے، بالخصوص بھارتی نقاد کے طور یہ نقطۂ نظر کئی جہات کو واضح کرتا ہے۔ شافع قدوائی نے اپنے مضمون میں گائتری چکروتی سپیاوک، ہومی کے بھابھا اور ایڈورڈ سعید کے حوالوں سے ریاست و مملکت کے تصور پر بحث کی ہے اور نتیجتاً قومی مملکت (Nation State ) کے تصور کو دور رس مخرب، اور مضر استعماری حربہ قرار دیا ہے؛ جس کا درست شعور اور احساس قومی مملکت کے مکین ادیبوں کی تخلیقات میں موجود ہوتا ہے۔ کسی بھی خطے کی تقسیم اور وہاں قومی مملکت کا قیام امن و خوش حالی، اور عوامی آرزؤں کی تکمیل کی بجائے جبر و تشدد اور مسلسل ناانصافی کا بنیادی ثابت ہوتا ہے۔ ہندوستان کی تقسیم اور قیام پاکستان کئی حوالے سے اسی شعور کی مثال کے طور پر انھوں نے منٹو کا افسانہ ''ٹوبہ ٹیک سنگھ'' پیش کیا ہے۔ شافع قدوائی بشن سنگھ کی کیفیت بارے لکھتے ہیں:

> "۔۔۔ بشن سنگھ کے بظاہر بے معنی جملے اور اس کا ایک مقام پر مسلسل ثابت قدمی سے کھڑا رہنا اور تشخص کے نام پر ہر قسم کے تشدد کو روا رکھنے کی روش کی ہولناکی جو NO MANS LAND میں بشن سنگھ کی موت پر منتج ہوئی Nation State ، کے قیام کے وقت ہی اس کی اخلاقی شکست کا اشارہ بن جاتی ہے۔ [۷] "

اگرچہ اس مضمون کو ہم شافع قدوائی کے تصور نقد و تعبیر کی بنیاد کے طور پر نہیں پیش کر سکتے؛ کہ انھوں نے تعبیر سے پیشتر ہی قومی مملکت کے حوالے سے نقطۂ نظر واضح کر دیا تھا، لیکن اس نوع کے تعبیری جملوں سے کم از یہ واضح ہو جاتا ہے کہ بعض اوقات زمینی حقائق، ریاستی پالیسی اور روایتی تصورات ایک نقاد کو متن کی تعبیر کرنے کی بجائے متن کو متعین نظریے کا ثبوت بنانے پر مجبور کر دیتے ہیں۔

اسی سلسلے میں جگدیش چندر ودھاون کا مضمون '' ٹوبہ ٹیک سنگھ'' بھی اپنی نوعیت کا شاندار مضمون ہے، جس میں توازن دیکھنے کو ملتا ہے۔ اس مضمون میں افسانے کے فنی و فکری ہر پہلو کو جانچنے کی کوشش کی گئی ہے۔ فن کے حوالے سے جگدیش چندر ودھاون افسانے کے پلاٹ، اور بالخصوص برتاؤ کی تعریف کرتے ہیں کہ افسانے میں ایک جگہ بھی تشبیہ و استعارہ استعمال نہیں ہوا، مشکل تراکیب بھی دیکھنے کو نہیں ملتیں، تاہم کرداروں کے منہ

سے ملنے والے بظاہر بے معنی،اس قدر جاندار، لیکن حقیقتاً بامعنی بلکہ کثیر المعنی ہیں کہ اس میں سے بہت کچھ برآمد ہوتا ہے۔ مضمون نگار کے بقول منٹو نے اس افسانے میں نہ جذباتیت کا مظاہرہ کیا ہے، نہ جانبداری کا، بلکہ تقسیم ہند سے متعلق اپنا موقف نہایت فنکارانہ اور ماہرانہ طریقے سے پیش کر دیا ہے، لکھتے ہیں:

"اس کا بنیادی خیال کا تھیم یہ ہے کہ عام آدمی، خواہ وہ پاگل ہی کیوں نہ تھا، ملک کے بٹوارے اور ہجرت کے حق میں نہیں تھا۔ وہ اس دھرتی کو چھوڑنا نہیں چاہتا تھا جہاں اس کی نمود اور نمو ہوئی تھی۔ جہاں اس کے آباء واجداد صدیوں سے پر امن زندگی بسر کرتے چلے آرہے تھے، لیکن سیاسی شاطروں نے، مذہبی جنون کا سہارا لے کر بٹوارے اور قر ہجرت کو ایک ٹھوس دلخراش حقیقیت بنا دیا۔[vi]"

درج بالا اقتباس میں موجود چند الفاظ کو پڑھ کر یہ گمان گزرتا ہے کہ مضمون نگار جانبداری کا مظاہرہ کر رہے ہیں، کیونکہ تقسیم برصغیر میں فسادات، مجاہدین آزادی اور تحریکِ آزادی میں حصہ لینے والے لاکھوں لوگوں کو کس طرح نظر انداز کیا جاسکتا ہے؟ تاہم اس وقت یہ نکتہ کسی نہ کسی طور سچ بھی نظر آتا ہے جب بات عام آدمی کی آتی ہے، کہ عام آدمی کو نہ ہی سیاست سے سروکار ہوتا ہے کہ نہ آزادریاست سے، بلکہ اس کے نزدیک تو وطن کا تصور اسی مخصوص علاقے تک محدود ہوتا ہے، جہاں اس کا جنم ہوتا ہے، وہ پرورش پاتا ہے۔

اس مضمون میں دو اور بھی قابل توجہ نکات موجود ہیں، ایک تو مضمون نگار کی تعبیری غلطی؛ کہ ان کے نزدیک بشن سنگھ پاگل نہیں تھا، شاید اس کا تعلق ان قاتلوں سے ہو سکتا ہے، جن کے رشتہ دار انھیں پھانسی سے بچانے کے لیے پاگل خانے میں چھوڑ گئے تھے۔ یہ بات قرین قیاس نہیں ، کیونکہ بشن سنگھ کا پندرہ سال سے پاگل خانے میں ہونا، بیٹی کو بھی نہ پہچاننا اور طویل عرصہ کھڑے رہنا اس کے پاگل پن پر ہی دال ہیں۔ دوسرا؛ بشن سنگھ کا یہ بات پتہ چلنے کے بعد کہ ٹوبہ ٹیک سنگھ پاکستان میں ہے، ہندوستان جانے سے انکار کر دینا اور نو میز لینڈ پر گر کر مر جانا، اس کا تقسیم یا تشکیلِ پاکستان سے انکار نہیں بلکہ نئے ملک بننے کے بعد لوگوں کے اپنی جنم بھومی سے دور ہونے پر صدائے احتجاج ہے۔ [vii] اگرچہ مضمون میں اس موقف کی مکمل وضاحت موجود نہیں ہے۔ اور اگر اس بات کو بھی منٹو کے موقف پر محمول کریں تو یہ بات سامنے آتی ہے کہ منٹو انتظامی بنیادوں پر نئے ملک کی تشکیل کے حق میں ہوں گے لیکن فسادات اور جبری ہجرت کو برا سمجھتے ہوں گے، تاہم بات کا کوئی اشارہ افسانے کے متن میں شامل نہیں ہے۔

کوثر مظہری کی کتاب ارتسام میں ان کے مضمون ''ٹوبہ ٹیک سنگھ کے نقاد'' اپنی نوعیت کے لحاظ سے منفرد مضمون ہے کہ یہ افسانے کے ساتھ اس کی تنقید کو بھی موضوع بناتا ہے۔ اس مضمون میں بھی جگدیش چندر ودھاون، وارث علوی و دیگر ناقدین کی مذکورہ افسانے پر تنقید کو زیرِ بحث لایا گیا ہے، نیز نقد الانتقاد کے ساتھ اپنی تعبیری رائے کا بھی اظہار کیا گیا ہے۔ ڈاکٹر خالد اشرف کا حوالہ دینے کے بعد لکھتے ہیں کہ پاگلوں کی کئی اقسام ہوتی ہیں، ان میں سے زیادہ تر مکمل پاگل نہیں ہوتے، بلکہ Mal-adjusted ہوتے ہیں۔ جو کہ ہر فرد ایک خاص حد تک ہوتا ہے، یعنی اگر یہ کچھ جہات میں پاگل ہوتے بھی ہیں تو کچھ ایسی جہات بھی ہوتی ہیں جن کے حوالے سے انھیں کسی حد تک شعور ہوتا ہے۔ ''ٹوبہ ٹیک سنگھ'' کے کردار اگرچہ لایعنی گفتگو

کرتے ہیں، غور کرنے ان میں ایک طرح کی معنویت بلکہ باقاعدہ نکتۂ نظر سامنے آتا ہے۔ مظہری صاحب نے اگرچہ کئی مضامین وکتب کو موضوع بنایا ہے لیکن تمام مضمون پڑھنے کے بعد ادراک ہوتا ہے کہ انھوں نے کوئی واضح نتیجہ برآمد کیا ہے، نا ہی کوئی واضح تعبیر سامنے لا سکے ہیں۔

جب کوثر مظہری ذاتی نوعیت کی تفہیم و تعبیر کی کوشش کرتے ہیں تو اس طرح کی چند باتیں سامنے آتی ہیں۔ لکھتے ہیں کہ بشن سنگھ دال (Signifier) اور مدلول (Signified) دونوں شکلوں میں ہمارے سامنے آکھڑا ہوتا ہے۔ کسی بھی فنکار کے لیے یہ آسان نہیں ہوتا کہ وہ دال اور مدلول دونوں کو ایک ہی کردار کے طور پر پیش کر سکے۔ [viii] یہ بات پڑھنے کے بعد قاری کی دلچسپی بڑھتی ہے کہ شاید مضمون نگار ساختیاتی یا پس ساختیاتی تناظر میں افسانے کی پڑھت سامنے لائے گا، لیکن حیرت ہوتی ہے کہ یہ فقرے لکھنے کے بعد اگلے پیرا گراف میں نئی بات شروع ہو جاتی ہے۔ دراصل ہمارے ناقدین کی اکثریت ایسی اصطلاحات کا استعمال فقط علمیت کے اظہار یا منہ کا ذائقہ بدلنے کے لیے استعمال کرتی ہے؛ اگر وہ کسی نظام فکر کا باقاعدہ اطلاق کرتے تو صورتِ حال مختلف ہوتی۔ اسی طرح فاضل مضمون نگار کا ایک اور جملہ قاری کو حیرانی سے دوچار کرتا ہے:

> "بشن سنگھ چیخ مار کر اپنے جسمانی وجود کے ساتھ زمین پر گرتا ہے تو ایسا محسوس ہوتا ہے جیسے چمکتے ہوئے تہذیبی نشان پر نحوست کے گہرے بادل چھا گئے ہوں۔ بشن سنگھ جو پندرہ سال سے چپ ہے اسے اپنے تبادلے پر اتنی شدید تکلیف ہوئی کہ وہ اپنی جان سے ہاتھ دھو بیٹھتا ہے۔ کیا منٹو کو اپنے اس کردار پر دکھ نہیں ہوا ہوگا؟ [ix]"

درج بالا اقتباس میں چمکتے ہوئے تہذیبی نشان یا نحوست کے گہرے بادلوں سے کیا مراد ہے؟ اس کا نہ مضمون میں کوئی سروغ ملتا ہے نہ افسانے میں۔ یعنی کوثر مظہری کا مضمون اگرچہ دیگر ناقدین کے مضامین سے افسانے کے حوالے سے چند نئے گوشے یکجا کرتا نظر آتا ہے، تاہم اس میں ہمیں کسی خاص تصورِ معنی و تعبیر کا سراغ نہیں ملتا۔

فتح محمد ملک پاکستان میں بطور اقبال شناس، ادبی ناقد اور دانش ور کی حیثیت سے جانے جاتے ہیں۔ ان کی کتاب سعادت حسن منٹو؛ ایک نئی تعبیر میں ایک مضمون "ٹوبہ ٹیک سنگھ؛ ایک نئی تعبیر" کے عنوان سے موجود ہے۔ اس کا مطالعہ جہاں پروفیسر فتح محمد ملک کا تصور نقد واضح کرتا ہے وہیں عمومی پاکستانی ناقدین کا موقف بھی سامنے آتا ہے۔ فتح محمد ملک اپنے مضمون کو کئی حوالوں سے مزین کرنے بعد ٹوبہ ٹیک سنگھ کی تعبیرات کے حوالے سے اپنے شدید تحفظات کا اظہار کرتے ہیں کہ ترقی پسندوں اور وطن پرستوں نے منٹو کے اس افسانے کی تہہ دار پرتوں کی حامل معنویت کو نظر انداز کیا اور من چاہی تعبیرات کر کے گمراہ کن پراپیگنڈا کیا۔ لکھتے ہیں:

> "سعادت حسن منٹو عمر بھر اپنے فن کو کسی سیاسی آئیڈیالوجی کی تبلیغ یا تشہیر کا ذریعہ بنانے سے گریز اں رہے۔ انھیں کسی خاص سیاسی مکتب فکر کا پراپیگنڈا کرنا کبھی گوارا نہ ہوا۔ وہ ہمیشہ ادب میں نظریاتی آمریت سے بغاوت کے راستے پر گامزن رہے۔ اپنے بیشتر معاصرین کے برعکس وہ عمر بھر

نظریات کے بجائے تجربات اور رسمیات کے بجائے مشاہدات سے پھوٹنے والی دانش کے موتی رولنے میں منہمک رہے۔[x]"

فتح محمد ملک مضمون کے آغاز ہی میں مارکسی مفکر طارق علی کی کتاب The Clash Of Fundamentalism کا اقتباس درج کر کے ان پر نکتہ اعتراض اٹھاتے ہیں کہ طارق علی نے ''ٹوبہ ٹیک سنگھ'' میں پاگل خانے کی صورتِ حال کو نئی جنم لینے والی ریاست کے جنون سے تعبیر کر کے تخلیقی سیاق سے عدم آگہی اور افسانے کے متن سے ناانصافی کا ثبوت دیا ہے؛ تقسیم کے وقت کے فسادات اور خوں ریزی کسی طرح کی نسل کشی کے بجائے، مذہبی جنون کی کارستانی تھی، جس کے پیچھے اکسانا اور مذموم مقاصد حاصل کرنا تھا۔ اس کے بعد انھوں نے وارث علوی کے مضمون سے اقتباسات پیش کیے اور حیرانی اور افسوس کا اظہار کیا کہ نئی ریاست کو پاگل پن قرار دینا کسی طور قرین انصاف نہیں۔ لکھتے ہیں:

"برٹش انڈیا کی سامراجی وحدت کے ٹوٹنے اور اسکے اندر سے دو قوموں کی آزاد قومی ریاستوں کا قیام نویدِ مسرت ہے۔ یہ قومیں اپنی اپنی اکثریت کے جن جغرافیائی خطوں میں آباد تھیں وہی خطے استعماری چنگل سے آزاد ہو گئے تھے۔ اس پہ رونے دھونے اور فساد برپا کرنے کی ضرورت تو صرف استعمار پرستوں کو پیش آنا چاہیے تھی۔ آزادی اور خود مختاری کے شائقین کے لیے پاکستان کا قیام فخر و مسرت کا مقام ہے۔[xi]"

فتح محمد ملک کے ان نکات سے شائبہ ہوتا ہے کہ افسانے کی تعبیر میں متن ہی کو بنیاد سمجھتے ہیں تاہم کچھ مواقع پر سیاق سے رجوع کو بھی ضروری سمجھتے ہیں (اور شاید وہ سیاق جو ان کے نزدیک درست ہو) ۔ان کے تصورِ معنی و تعبیر کو سمجھنے کے لیے مضمون کے ان حصوں کو جاچنا ضروری ہے جس میں خالصتاً تعبیر کی گئی ہے۔

پاگل خانے کے ایک پاگل کا خود کو قائداعظم محمد علی جناح اور دوسرے کا خود کو ماسٹر تارا سنگھ سمجھ کر خونریزی پر اتر آنا، جس کے اندیشے میں دونوں کو الگ الگ کر دیا گیا۔۔ خود کو خدا سمجھنے والے پاگل کا یہ کہنا کہ ٹوبہ ٹیک سنگھ نہ پاکستان میں ہے نہ ہندوستان میں کیونکہ ابھی تک اس نے اس بات کا حکم ہی نہیں دیا، جواباً بشن سنگھ کا اسے فقط مسلمانوں کے خدا قرار دے کر اس سے گلو خلاصی کرانا کہ وہ سکھوں کی بات ہی نہیں سنتا، ''اوپڑدی گڑ گڑدی انیکس دی، بے دھیانا دی، منگ دی دال آف واہے گروجی دا خالصہ اینڈ واہے گروجی کی فتح۔'' ان دو حصوں کو درج کرنے کے بعد جہاں قاری کی توقع ہوتی ہے کہ صاحبِ مضمون ان کی تفہیم و تعبیر کرے گا وہیں فتح محمد ملک نے اقبال کے جناح کو لکھے خط کا حوالہ دے کر یہ ثابت کیا انھی واقعات ہی سے واضح ہو جاتا ہے کہ برصغیر میں امن و آشتی کی فضا پیدا کرنے کے لیے مسلمانوں کی جداگانہ، آزاد مملکتوں کا قیام ضروری تھا۔ ان کے نزدیک پاکستان کی تحریک اور پاکستان کا قیام، تاریخی شعور اور تہذیبی وابستگی کی دین ہے۔ تاریخ و تہذیب کی انقلابی قوتوں سے آگہی کے بغیر نہ تو پاکستان کا تصور سمجھ میں آسکتا ہے، نہ تحریک اور نہ تشکیل پاکستان۔ پاگل خانے کے وہ مکین جن کو ان کے لواحقین نے پھانسی سے بچانے کے لیے پاگل خانے میں بھرتی کرایا تھا، جو حقیقتاً پاگل نہیں تھے، وہ سمجھتے تھے کہ پاکستان کہاں ہے اور کیا ہے۔ عقل و خرد سے عاری اور حافظہ و تخیل سے محروم پاگلوں کی سمجھ میں پاکستان کیونکر

سمجھ میں آسکتا ہے؟ وہ بشن سنگھ کے نو میز لینڈ پر مر جانے کو وحشیانہ عمل قرار دیتے ہیں کہ اس جیسے پاگل ہی خواب و خیال پر کھیت کھلیان کو ترجیح دیتے ہیں ۔فتح محمد ملک کا مضمون ایسے کئی نادر الفاظ و تراکیب کا مجموعہ ہے جو بذاتہٖ قابل تعبیر ہیں۔ فتح محمد ملک کے مطابق پاکستان کی تشکیل نے منٹو کی فکری دنیا کو یکسر منقلب کر کے رکھ دیا اور اس نے پاکستان آنے کے بعد دنیا کو ایک نئے زاویہ نظر سے دیکھنا شروع کر دیا، اور یقیناً اُن کے نزدیک وہ زاویۂ نظر یہی ہے جس سے فتح محمد ملک افسانے کو دیکھ رہے ہیں۔ مضمون نگار ''ٹوبہ ٹیک سنگھ'' کی تعبیر کے حوالے سے اپنا فیصلہ کن جملہ لکھ کر اپنا تصورِ نقد واضح کرتے ہیں:

> "منٹو کی زیرِ نظر کہانی کی فقط ایک ہی تعبیر ممکن ہے اور وہ یہ ہے کہ پاکستان کا تصور، پاکستان کی تحریک، اور پاکستان کا قیام بشن سنگھ جیسے پاگلوں کی سمجھ میں نہیں آسکتا کیوں کہ یہ ایک فوق التہذیب تصور ہے اور یہ لوگ تو منجملہ نباتات و جمادات ہیں۔[xii]"

فتح محمد ملک کی اس ''نئی تعبیر'' کو اور بہت کچھ کہا جاسکتا ہے لیکن تنقید یا تعبیر ہر گز نہیں۔ دراصل کسی بھی متن کی تعبیر متن سے انحراف کی بنیاد پر نہیں کی جاسکتی۔ فتح محمد ملک کے اس مضمون میں متن میں موجود گرہوں کو کھولنے کی بجائے، متن سے باہر موجود متعین معانی کو لا کر نافذ کرنے کی کوشش کی ہے، جو افسانے اور اس کے نظام معانی سے زیادتی کے مترادف ہے۔

معاصر ادبی منظر نامے کا ایک بڑا حوالہ، فکشن نگار اور فکشن شناس محمد حمید شاہد کی کتاب میں بھی '' ٹوبہ ٹیک سنگھ'' کی تعبیرات کی تنقید کے حوالے سے ایک مضمون موجود ہے، جو یقیناً فتح محمد ملک کے مضمون کے بعد لکھا گیا ہوا گا۔ اس کا جائزہ لینا اس لیے ضروری اور دل چسپی کا حامل ہے کہ ایک فکشن نگار کس طور فکشن کی تفہیم و تعبیر کا روادار ہو سکتا ہے۔ اپنے مضمون کے آغاز میں انھوں نے پہلے شمیم حنفی کی منٹو کے افسانوں نے حوالے سے رائے درج کی ہے کہ منٹو اندرونی، بے دریغ اور ناقابل فہم طاقت سے مالا مال افسانہ نگار ہے، جس کی تفہیم کے لیے اس کے افسانوں کی تاریخیت، سیاسی و سماجی سیاق پر اصرار سے زیادہ منٹو کی تخلیقی سطح کی تعبیر کی ضرورت ہے۔ یعنی یہ بات درج کرنے کے بات محمد حمید شاہد اس بات کا ادراک کرتے ہیں کہ منٹو کے ان افسانوں کی بھی سیاسی سیاق کے پیشِ نظر تعبیر کی جاتی ہے جن کا بنیادی سروکار انسانی نفسیات کی اتھل پتھل اور خالص انسانی جذبوں کو نشان زد کرنا ہوتا ہے، اس کے ساتھ ہی مضمون نگار یہ بھی کہتے ہیں کہ اس اتھل پتھل کا سبب سیاسی اکھاڑ پچھاڑ ہی ہوا کرتی ہے۔ یعنی مضمون نگار کہ ان آخری نکتے سے یہ نتیجہ اخذ کیا جاسکتا ہے کہ منٹو کی سیاسی تعبیر ہی درست تعبیر ہے، تاہم اس کے ساتھ انھوں نے عمومی سیاسی سیاق کی حامل تعبیرات کے متوازی ایک نئی منفرد تعبیر کی راہ بھی ہموار کر لی۔[xiii]

مضمون جب آگے بڑھتا ہے تو ادراک ہوتا ہے محمد شاہد حمید فتح محمد ملک کی تعبیر کے دفاع کی تیاری میں تھے، جس کا انھوں نے ذرا آگے چل کر اعتراف بھی کیا، لکھتے ہیں:

"منٹو کی پچاسویں برسی کی تقریب میں گفتگو کرتے ہوئے منشا یاد نے یہ خدشہ ظاہر کیا کہ ''ٹوبہ ٹیک سنگھ'' کی یہ تعبیر شاید مشکل سے ہضم ہو پائے۔ کچھ ایسا ہی خدشہ ڈاکٹر نجیبہ عارف نے بھی ظاہر کیا تھا، تاہم میں ان لوگوں میں سے تھا جنھوں نے تعبیر کو رد نہیں کیا، لائق اعتنا جانا تھا۔[xiv] "

مضمون نگار اپنی اس رائے کی بنیاد یہ بتاتے ہیں کہ مذکورہ تعبیر متن سے اس قدر قریب ہوگئی ہے کہ میں نے اسے لائق اعتنا جانا، اگر فتح محمد ملک کی تعبیر سے ایک دو جملے نکال لیے جائیں تو وہ تعبیر ایسی ہے کہ جس پر دل ٹھکتا ہے۔ محمد حمید شاہد فتح محمد ملک کی آراء درج کرنے کے بعد ان ہی کی طرح یہ نتیجہ اخذ کرتے ہیں، کہ '' ٹوبہ ٹیک سنگھ '' کا موضوع برطانوی ہند کی تقسیم نہیں، نا ہی یہ فسادات کے پس منظر میں تحریر کیا گیا افسانہ ہے؛ بلکہ آغاز میں طارق علی گرفت اس تعبیر کی معنویت بڑھاتی ہے، کہ طارق علی نے اسے تقسیمِ ہند اور نسل کشی کے فسادات کا افسانہ کہا تھا۔ فتح محمد ملک نے تو یہ ثابت کیا ہے برصغیر کی تقسیم برطانوی سامراج ٹوٹنے کا نتیجہ ہے جو دو آزاد قومی مملکتوں کی نوید لے کر آیا۔ اس لیے پاگل خانے کی اندر کی صورتِ حال کو پاگل خانے کے باہر کی صورتِ حال پر منطبق کرنا مناسب نہیں، اور افسانے کا موضوع حافظے کی گمشدگی اور تخیل کی موت ہے۔

محمد حمید شاہد کا مذکورہ بالا مضمون اردو تنقید کا ایک نیا چہرہ سامنے لاتا ہے، جہاں متن کی تعبیر کے بجائے تعبیرات کا محاسبہ کر کے پسندیدہ تعبیر کو سچ ثابت کرنا ہوتا ہے، جس کے لیے کسی نظام فکر سے جڑت کی بجائے، کسی فرد سے قلبی جڑت اور رواں اسلوب کی ضرورت پڑتی ہے۔

یہاں ایم خالد فیاض کے ایک اہم مضمون '' ٹوبہ ٹیک سنگھ ۔۔۔ نئی تعبیر (ایک محاکمہ)'' کو نظر انداز کرنا ناانصافی ہوگی، جو خالصتاً فتح محمد ملک کے مضمون کے جواب میں لکھا گیا ہے۔ منفرد ادبی مجلہ تناظر کے نوجوان مدیر، ایم خالد فیاض، اردو ادب کے استاد، محقق اور صائب الرائے نقاد کی حیثیت سے جانے جاتے ہیں۔ انھوں نے اپنے مضمون میں نہ فقط فتح محمد ملک کے مضمون کا محاکمہ کیا، بلکہ ان کی پوری کتاب کو ہدفِ احتساب بنایا۔ فتح محمد ملک کے مضمون میں افسانے کی واحد تعبیر پر اصرار سے نقاد اور قاری کی حق تلفی تھی جو اس مضمون کی بنیاد بنی، لکھتے ہیں:

"سعادت حسن منٹو؛ ایک نئی تعبیر کا موضوع منٹو کی پاکستانیت ہے، اگر یوں کہاں جائے تو زیادہ بہتر ہو گا کہ منٹو کی پاکستانیت تلاش کرنے کی سر توڑ کوشش ہے۔ اور یہ بھی یاد رہے کہ ملک صاحب کی پاکستانیت، نظریاتی بنیادوں پر استوار ہوتی ہے۔ نظریہ پاکستان پر صدقِ دل سے ایمان لانا، کشمیر کے حوالے سے پاکستانی بیوروکریسی کی حمایت کرنا اور بس۔[xv]"

ایم خالد فیاض نے واضح کیا ہے کہ فتح محمد ملک کا مارکسی نقادوں پر تقسیم کی مخالفت کرنے کی وجہ سے، اُن کی تعبیر کی بجائے وارث علوی کو بنیاد بنانا، لیکن علوی صاحب ایسے مارکسیت گریز نقاد کے ہاں بھی اسی نکتہ نظر کی تلاش کے بعد اسے یکسر نظر انداز کرنا فہم سے بالاتر ہے۔ خالد فیاض نے ثابت کر دکھایا کہ مارکسیت پسندوں کے علاوہ وارث علوی، ممتاز شیریں اور وزیر آغا تک کے ہاں افسانے کی ایک ہی تعبیر، جس میں افسانے کے اندر، تقسیم کے حوالے تشکیک پائی جاتی ہے، کا اظہار دراصل افسانے کی حقیقی تعبیر ہی ہے۔

فتح محمد ملک کے نزدیک ،اردو ناقدین کے ہاں منٹو کی تقسیم مخالف رویے کی بازیافت دراصل منٹو کے قبل از تقسیم افسانوں کی وجہ سے بنے امیج کی بنیاد پر ہے۔لیکن ایم خالد فیاض نے منٹو کے تشکیل پاکستان کے بعد لکھے گئے افسانوں کی بنیاد پر ثابت کیا کہ ایسا نہیں،بلکہ منٹو تقسیم،اور تقسیم کے بعد سامنے آنے والی انسانیت کے زوال کی صورتِ حال کے حوالے سے شاکی رہے۔اس کے لیے انھوں نے ''ٹوبہ ٹیک سنگھ'' کے علاوہ ''سڑک کنارے''،''دیکھ کبیر ارویا'' ،''خدا کی قسم'' ''نمرود کی خدائی'' اور ''یزید''ایسے افسانوں کے متن کو بنیاد بنایا ہے۔ایم خالد فیاض کے مضمون سے فتح محمد ملک کا ایس اتصور ابھرتا ہے جو ایب کی آزاد حیثیت کا قائل ہی نہیں مخالف ہے، جس کے نزدیک ریاست کی تشکیل کے بعد ادیبوں کی ذمہ داری فقط ریاست کی نظریاتی بنیادوں کی حفاظت اور تشکیلی ریاستی ایجنڈے کی تشکیل و ترویج ہی ہے،اسی طرح ناقدین کا کام بھی انھی مقدس معانی کو آشکار کرنا ہے اور بس۔

ڈاکٹر خالد محمود سنجرانی گورنمنٹ کالج لاہور کے شعبہ اردو سے متعلق ایک محقق اور نقاد ہیں،جنھوں نے نفسیاتی نظریات بالخصوص تحلیل نفسی کے ادب پاروں پر اطلاق سے شہرت اور اعتبار حاصل کیا۔ان کا انگارے (مدیر: ڈاکٹر سید عامر سہیل) میں شامل مضمون '' تنقیدی محدودات اور ٹوبہ ٹیک سنگھ'' اس حوالے سے لائق توجہ ہے کہ اس میں افسانے کی تعبیر نفسیاتی پیمانوں پر کر کے کچھ نئے پہلو سامنے لانے کی کوشش کی گئی ہے۔تاہم مضمون کے آغاز ہی میں انھوں نے اس بات کا واشگاف انداز میں اعتراف کیا ہے کہ ہر تنقیدی دبستان کی کچھ حدود و قیود حد وود ہوتی ہیں جن کی بنیاد پر وہ حقیقت کو بحیثیت کل کی بجائے، حقیقت کو الگ الگ زاویوں سے دکھانے کی کوشش کرتی ہیں۔ تحلیلِ نفسی بھی حقیقت کا ایک ہی رخ پیش کر سکتی ہے، مکمل حقیقت نہیں۔

ڈاکٹر خالد محمود سنجرانی کے بقول خالص تحلیلِ نفسی کے پیمانوں پر افسانے کو جانچنے سے،بشن سنگھ، جس میں بلاہتی انشقاق (Catatonic Schizophrenia)) کی سی علامات واضح دکھائی دیتی ہیں؛ کا ہندوستان جانے سے انکار اور اپنی جنم بھومی ٹوبہ ٹیک سنگھ سے محبت،دراصل ماں سے محبت اور سخت گیر باپ سے نفرت کی علامت بن کر سامنے آتی ہے؛اور اس تعبیری نکتے کی بنیاد خالق متن یعنی سعادت حسن منٹو کے بچپن میں پوشیدہ ہے کہ ان کی ماں کا شفیق امیج ماں سے منٹو کی محبت سبب بن گیا جب کہ سخت گیر باپ سے منٹو کی نفرت گہری ہوتی گئی جس کا اظہار بشن سنگھ کے ہندوستان جانے پر سامنے آتا ہے۔[xvi] بظاہر دیکھا جائے تو اس نوع کا کوئی اشارہ کوئی واضح علامت قاری کے سامنے نہیں آتی،لیکن نفسیاتی تنقیدی حربوں میں مصنف کے فن کو نظرانداز کر کے اس کی ذات کی گہرائیوں میں تخلیق کا جواز ڈھونڈ کر ایسے معانی برآمد کیے جاتے ہیں۔یعنی متن میں موجود واضح اور ٹھوس عوامل کو نظرانداز کر کے اس نظام عمل تک رسائی کی کوشش کی جاتی ہے جو مصنف کی باطنی دنیا میں تلاطم ریز رہتا ہے۔لکھتے ہیں:

" تحلیل نفسی کو پاگلوں کے سیاسی عوامل کی نسبت منٹ کے بچپن اور لڑکپن کے ان تجربات سے سروکار ہوگا جو اس افسانے کی فضا کے پس پردہ کارفرما رہے۔[xvii] "

ڈاکٹر خالد محمود سنجرانی نفسیاتی تنقید کے محدودات واضح کرنے کے بعد کہتے ہیں کہ ''ٹوبہ ٹیک سنگھ'' کا بنیادی موضوع تقسیم کے وقت مہاجرین کے لیے پاکستان اور ہندوستان کی الگ الگ وجود کو فوری طور تسلیم کرنے کے حوالے سے ذہنی الجھن کا ظہار ہے۔تاہم یہ الجھن اور کش مکش خود منٹو در پیش تھی، جو ہجرت کرنے کے بعد میں تشخص اور قبولیت کی الجھن سے نہ نمٹ سکا۔تاہم باریک سیاسی نکات پر فیصلہ کن رائے دینے کی بجائے اپنے تہہ دار ارفسانوی متن میں منٹو نے اپنے نکتۂ نظر کو پیش کرنے کے لیے فہیم اور ذکی لوگوں کی بجائے مخبوط الحواس پاگلوں کی موضوع بنیایا جو اپنے بڑی سادی سے موٹے موٹے نتائج اخذ کیے بیٹھے تھے۔یعنی دیکھا جائے تو اپنے مضمون میں ڈاکٹر خالد محمود شیرانی نے ایک دلچسپ نکتی ضرور دی اہے تاہم متن میں موجود ابہام کے حوالے سے کوئی فیصلہ کن رویہ اختیار نہیں کیا۔بلکہ تعبیرات کے حوالے یہ ضرور واضح کیا ہے مختلف نظریات کی بنیاد پر کی جانے والی تعبیرات درست معنی کو سامنے لانے کی نجائے الجھاؤ پیدا کریں گی لہٰذا نفسیاتی، مارکسی، ساختیاتی اور دیگر تنقیدی دبستانوں کے امتزاج سے کی جانے والی تعبیر ہی افسانے کا درست سامنے لا پائے گی۔

پرویز انجم منٹو شناسی میں منفرد مقام کے حامل محقق اور نقاد تسلیم کیے جاتے ہیں۔ان کی کتاب سعادت حسن مر گیا، منٹو نہیں مر امیں شامل مضمون '' سرزمین پنجاب کا قد آور افسانہ، ٹوبہ ٹیک سنگھ'' اپنی حیثیت میں اس طرح دلچسپ ہے کہ اس میں افسانے کو ایک اور زاویے سے دیکھنے کی کوشش کی گئی ہے۔''ٹوبہ ٹیک سنگھ'' کو سیاق اور سیاسی و تاریخی تناظر میں دیکھنے والے ناقدین کو بالعموم دو حصوں میں منقسم کی جا سکتا ہے؛ایک تقسیم کو روا اور وقت کی ضرورت سمجھنے والے ناقدین اور دوسرے تقسیم کو سب سے بڑا سانحہ سمجھنے والے۔اگرچہ ہر دو تقسیم کے وقت ہونے والے بے پناہ خوں ریزی کو انسانیت کا بہت بڑا المیہ سمجھتے ہیں۔ان دو کے علاوہ وہ چند جن کے تناظرات مختلف ہیں۔پرویز انجم اگرچہ ایک طرح سے تاریخی سیاق ہی کو پیشِ نظر رکھتے ہیں، تاہم جو چیز ان کے ہاں نئی ہے، وہ ہے قوم پرستی۔جیسا کہ مضمون کے عنوان سے ظاہر ہے '' سرزمین پنجاب کا قد آور افسانہ، ٹوبہ ٹیک سنگھ '' ، کہ صاحبِ مضمون ''ٹوبہ ٹیک سنگھ'' کی عظمت کو پنجاب سے منسوب کر دیکھتے ہیں، اسی طرح وہ افسانے میں موجود عوامل، گرہوں اور الجھنوں کو بھی پنجابی نسل پرستی ہی کی بنیاد پر تعبیر کرتے ہیں۔ مضمون کے آغاز ہی میں رقم طراز ہیں:

> "پنجاب ۔۔۔ مشرقی پنجاب ، مغربی پنجاب ۔۔۔ ہندوستانی پنجاب ، پاکستانی پنجاب ۔۔۔۔ ہر یانہ پنجاب ، خالصہ پنجاب ۔۔۔ سرائیکی پنجاب ، وسطی پنجاب ۔۔۔ دیس پنجاب ۔۔۔ پنجابی عوام الناس کا سماج، تقسیم در تقسیم ۔۔۔[xviii]"

ٹوبہ ٹیک سنگھ کا علاقہ قصبہ جھنے اور ساندل بار کے بیچ واقعہ ہے۔پرویز انجم نے اس قصبے وجہ تسمیہ بتائی کہ یہ ٹیک سنگھ نامی ایک بابا کی وجہ سے علاقے کا یہ نام پڑا جو بلا تخصیص ہندو اور مسلمان، مسافروں کی تواضع پانی اور بھنے ہوئے چنوں سے کرتا تھا، مضمون نگار کے مطابق پورے پنجاب پر فرنگی تسلط کے باوجود اس علاقے کے لوگوں نے غلامی کو کبھی قبول نہ کیا تھا، کہ بھگت سنگھ اور جگا بھی اسی علاقے سے تھے۔منٹو کے اس افسانے میں ٹوبہ ٹیک سنگھ کی ترکیب؛ قوت، جرأت اور بغاوت کی علامت کے طور پر استعمال ہوئی ہے۔ [xix] نہ جانے اس نوع کی معلومات کا افسانے کی تفہیم و تعبیر سے کیا

تعلق ہے اور اس تعبیر کے یہ معانی پیش کرنے کے پیچھے مضمون نگار کی کیا منطق رہی ہو گی، تاہم یہ بات واضح ہے کہ اس نوع کی باتیں تنقید و تعبیر کو معروضی کے بجائے موضوعی بناتی ہیں۔

پرویز انجم بشن سنگھ کی نو میز لینڈ ہر وفات کا ذکر کر کے بتاتے ہیں، منٹو جب شراب چھوڑنے کی غرض سے پاگل خانے مین تھے تو ان پر عجیب و غریب کیفیت اور نیم بے ہوشی کا عالم طاری رہتا اور وہ اس عالم میں تقسیم کے معاملے پر سوچتے ہوئے خود کو نو میز لینڈ پر محسوس کرت تھے، جس کا اظہار منٹو نے افسانے میں کیا۔ بشن سنگھ " ونڈ" کے خلاف تھا، جو دھرتی سے محبت کرنے والے فرد کو اس کی جڑوں سے اکھاڑ کر دور پھینکنا چاہتی تھی۔ اپنی مٹی، سے محبت کو چھوڑ کر ایک سیاسی تشکیل، ایک قومی مملکت میں جانا ایک بے عقل مگر مٹی سے محبت کرنے والے فرد کے لیے کسی طور قابل قبول نہ تھا، اور مضمون نگار کے نزدیک یہی دراصل منٹو کی سوچ تھی۔ لکھتے ہیں:

"آزادی کی تعبیر نے فرد کی نفسیاتی کیفیت درہم بر ہم کر دی اور تقسیم کے بعد معاشی و سماجی، نفسیاتی و سیاسی، جنس ور عقائد کی بنیاد پر جاری تقسیم نے ذہنی پاگل پن پیدا کر دیا تھا۔ یہاں تو بہ ٹیک سنگھ آزادی کے خلاف نہیں، تقسیم کے خلاف ضرور ہے، جو فرد سے اس کی شناخت چھین لیتی ہے۔ "

[xx]

متذکرہ بالا مضمون کو کسی بھی طور پر ایک مکمل مضمون اور اور معتبر تعبیر نہیں کہا جا سکتا۔ جو نکتہ مضمون کے آغاز میں اٹھا کر بات شروع کی گئی ہے، آگے چل کر اسے ثابت کرنے کی کوئی کوشش نہیں کی گئی۔ افسانے میں کئی ایسی جہات، علامتیں اور گرہیں موجود ہیں جن پر بات ہو سکتی تھی، لیکن ان سب کو نظر انداز کر کے صرف بشن سنگھ کی کیفیت اور موت سے معنی اخذ کرنے کی کوشش کی گئی ہے، جو پہلے سے متعین اور طے شدہ ہیں، جن کے شواہد متن سے بر آمد ہونے کے بجائے در آمدی محسوس ہوتے ہیں۔

ن۔م۔ دانش کا مضمون " منٹو ٹوبہ ٹیک سنگھ اور شناخت کا بحران" میں منٹو اور ٹوبہ ٹیک سنگھ کو تنقیدی تھیوری کے مختلف تناظرات کے تحت سمجھنے کی کوشش کی گئی ہے۔ مضمون کی ابتدا میں منٹو اور فحش نگاری کے مسئلے پر چند باتیں کرنے کے بعد مابعد نو آبادیاتی تنقید، نو آبادیات میں نو آبادکاروں کے ہتھکنڈے اور ان کے نو آبادیاتی باشندوں پر اثرات کو مفصل انداز میں بیان کیا گیا ہے۔ مضمون نگار کے مطابق منٹو چونکہ نو آبادیاتی دور سے متعلق افسانہ نگار ہیں، اس لیے نو آبادیاتی اثرات کے صرفِ نظر کر کے ان کے افسانوں کی تفہیم فقط فسانہ ہی قرار پائے گی۔ برطانوی استعمار کاروں نے ہم برصغیر کے لوگوں کو the other قرار دے کر حاشیائی قرار دے دیا۔ جب کہ منٹو کا خاصہ یہ ہے کہ وہ پورے حاشیائی طبقے میں سے بھی مزید حاشیائی (other) کردار منتخب کر کے ان پر افسانے بُنتے ہیں۔[xxi] چاہے یہ کردار ادنی، بدکار، بے ایمان کا ہو، طوائف کا یا پھر پاگل کا، منٹو انھیں حاشیے سے مرکز میں لانے کی اپنے طور سعی ضرور کرتے ہیں۔

مضمون میں بات نوآبادیات سے شروع ہوتی ہے، ایڈورڈ سعید، فرانز فینون اور گائتری چکرورتی سے ہوتی ہوئی ساختیات اور پھر ایک دم دریدا کی رد تشکیل تک پہنچ جاتی ہے۔ اس کے بعد فوکو کی کتاب ''دیوانگی کی تاریخ'' پر پہنچ کر عقل، منطق، معقول اور غیر معقول کی بحث چھیڑنے کے بعد ایک ہی صفحے پر ڈیکارٹ، ہیوم اور کانٹ ایسے کئی فلسفوں تک چلے جاتے ہیں لیکن اس دوران میں مضمون کے عنوان، یعنی ''ٹوبہ ٹیک سنگھ'' پر بات نہیں پہنچتی۔ گنجلک نظری حصہ گزر جانے کے بعد جب افسانے پر بات آتی ہے تو وہ باریک بینی سے، نکات اور کلیدی الفاظ میں منقسم کر کے افسانے کی تفہیم و تعبیر کی کوشش کرتے ہیں۔

"ماہر نفسیات آر۔ڈی لینگ کے مطابق شیزوفرینک Schizophrenic کی بظاہر نا قابلِ فہم اور خود متناقض زبان اکثر twisted سچائی کا gnomic اظہار ہے جس کو مریض ویسے بیان کرنے کے قابل نہیں ہوتا۔ ٹوبہ ٹیک سنگھ میں معاشرے کی اسی twisted سچائی کا بیان ہے۔" اوپڑ دی گڑ گڑ دی ایکس دی بے دھیانا دی منگ دی دال آف دی پاکستان اینڈ ہندوستاب آف دئ در فٹے منہ "اتنی بے معنی نہیں۔ یہاں کوئی بات سمجھ میں آئے نہ آئے مگر اتنی بات صاف ہے بشن سنگھ پاکستان اور ہندوستان دونوں کو در فٹے منہ کہہ رہے ہیں۔[xxii]"

ن۔م دانش نے مذکورہ افسانے کو بین المتونیت کے تناظر میں دیکھا، افسانے کے مرکزی اور ذیلی موضوعات کو بھی گرفت میں لینے کی کوشش کی۔ ان کے نزدیک تعبیرات کے ذریعے منٹو کی قبل از تقسیم تشکیل پانے والی تصویر کو مسخ کرنے کی کوشش بھی اتنی ہی غلط ہے جتنی منٹو کے پاکستان کے منتخب کرنے کے فیصلے کو غلط ثابت کرنے کی کوشش۔ تاہم مضمون نگار نے اس مضمون میں اپنی طرف سے بھی فیصلہ سنا دیا ہے۔

ن۔م دانش کے مطابق منٹو کے حاشیائی طبقے کو حاشیے پر ہی کھڑے ہو دیکھا، نہ کہ کسی مرکز کے تحت۔ کیونکہ تقسیم کے بعد فریقین نے خود مرکز مان لیا اور ایک دوسرے کو اپنا حریف، ان کے نزدیک ہر وہ فرد جو مرکز میں نہیں معقل نہیں، تاہم منٹو نے پاگل خانے کے منظر سے یہ دکھایا کہ پاگل خانہ تو ہا گل خانے کے باہر بھی ہے، اور یہ اس نے پاگلوں ہی کے ذریعے دکھایا ہے۔

"ٹوبہ ٹیک سنگھ کو مرکز سے بیان کیا ہی نہیں جا سکتا تھا۔ مرکز ''طاقت ور'' اور ''معقول'' لوگوں کی آماجگاہ ہے۔ جہاں ہندو، سکھ، گاندھی، جناح، پاکستان، ہندوستان، زندہ باد، مردہ باد اور بے گناہ انسانوں کے خون اور عورتوں کی عصمت دری کا کھیل کھیلا جا رہا ہے۔ اور وہاں معقول وہی ہے جو کسی ایک طرف ہے۔ بصورتِ دیگر وہ دونوں کا ہدف ہے۔ [xxiii]"

درج بالا مضمون کے جائزے سے یہ بات واضح ہوئی کہ اس میں جدید تھیوری کو بطور تعبیری حربے کے برتا گیا ہے، لیکن یہ بات بھی عیاں ہے کہ پورے مضمون میں تھیوری کے ضمن میں آنے والے کسی ایک نظریے کو بطور تناظر نبھایا نہیں گیا۔ کسی ایک کا اطلاق بھی مبسوط طور پر مکمل نہیں ہو پایا۔ تاہم اس مضمون میں حتی المقدور کوشش کی گئی ہے کہ تعصب اور جانبداری سے بچا جائے، اور مضمون نگار اس میں کافی حد تک کامیاب بھی ہوئے ہیں۔

درج بالا سبھی تعبیرات کا مختصر محاکمہ کیا جائے تو ایک بات واضح ہوتی ہے کہ ''ٹوبہ ٹیک سنگھ'' ایک ایسا گتھا ہوا اور گندھا ہوا متن ہے جس کے بنیادی اجزا میں اس کا تاریخی و سیاسی سیاق شامل ہے؛ جسے کوشش کے باوجود نظر انداز نہیں کیا جا سکتا۔ لیکن تاریخ اور سیاسی سیاق کے دو بڑے ورژن موجود ہیں، جو سرحد کے دونوں اطراف مقبول بھی ہیں، جنھیں شاید بطور شہری اور محبِ وطن نظر انداز کرنا معبرین کے لیے ممکن نہ تھا، اس کے لیے اکثر معبرین نے اپنے تنقیدی منصب کی قربانی دینا گوارا کر لی۔ ایک مسئلہ یہ بھی سامنے آیا کہ افسانے کی تعبیر منٹو کا نکتۂ نظر تلاش کرنے کے لیے کی گئی، بشن سنگھ کو بطور ایک افسانوی کردار کے دیکھا ہی نہیں گیا، بلکہ اسے منٹو کی فکر کا مظہر اور فکری نتیجہ سمجھ کر جانچا گیا۔ کردار صورتِ حال سے جڑا ہوتا ہے اور بعض اوقات مصنف کی ادعائی گرفت سے آزاد بھی ہو جاتا ہے۔ اگرچہ بشن سنگھ، جو ایک مخبوط الحواس سہی، تاہم ایک عام ہندوستانی کا استعارہ ہے، اور وہ کسی طور تقسیم اور اس کے نتیجے میں پیدا ہونے والی صورتِ حال سے مطمئن نہیں، کے ساتھ منٹو سمجھ کر ہی کیوں رویہ رکھا جاتا ہے۔ افسانے میں ابہام کچھ ایسی جمالیاتی صورت میں موجود ہے، کہ وہ کثرتِ تعبیر کی ہر ممکنہ توجیہہ پیش کر رہا ہے۔ مذکورہ سبھی تعبیرات نے اسی ابہام کی جمالیات ہی کی بنیاد پر متنوع معانی برآمد کیے۔ لیکن جہاں تک کسی باقاعدہ تنقیدی نظام فکر کی تقلید اور اس کے اطلاق کی بات ہے، وہ کسی نقاد کے ہاں نظر نہیں آیا، کجا اس کے اطلاق کی درستی کا جائزہ لیا جاتا۔

حوالہ جات:


- افضال حسین، قاضی، ''منٹو کی نئی قرأت کی ضرورت'' مشمولہ سعادت حسن منٹو ایک صدی بعد، مرتب: پروفیسر قاضی افضال حسین، علی گڑھ: سنٹر آف ایڈوانس سٹڈی، شعبۂ اردو، علی گڑھ مسلم یونی ورسٹی، ۲۰۱۳ء، ص ۷
- منٹو، سعادت حسن، پھندنے، نئی دہلی: ساقی بک ڈپو، ۱۹۹۱ء۔ ص ۲۰
- وارث علوی، منٹو ایک مطالعہ، نئی دہلی: وجے پبلشرز، ۱۹۹۷ء، ص ۲۰۲
- وارث علوی، منٹو ایک مطالعہ، ص ۲۰۶
- شافع قدوائی، ''نیشن بطور بیانیہ اور منٹو کا افسانوی متن'' مشمولہ سعادت حسن منٹو ایک صدی بعد، مرتب: پروفیسر قاضی افضال حسین، علی گڑھ: سنٹر آف ایڈوانس سٹڈی، شعبۂ اردو، علی گڑھ مسلم یونی ورسٹی، ۲۰۱۳ء، ص ۶۶
- جگدیش چندر ودھاون، ''ٹوبہ ٹیک سنگھ''، مشمولہ، ٹوبہ ٹیک سنگھ کا منٹو، مرتبہ: ڈاکٹر طاہر عباس، لاہور: عکس پبلی کیشنز، ۲۰۱۹ء، ص ۵۴
- ایضاً ص ۵۶

- کوثر مظہری، ''ٹوبہ ٹیک سنگھ کے نقاد''، مشمولہ ارتسام، چندن بارہ بہار: مظہر فاؤنڈیشن، ۲۰۱۷ء، ص ۳۹۹
- ایضاً ص ۴۰۰
- فتح محمد ملک، سعادت حسن منٹو؛ ایک نئی تعبیر، لاہور: سنگ میل پبلی کیشنز، ۲۰۰۴ء ص ۷۶
- ایضاً، ص ۴۷
- ایضاً، ص ۸۷
- محمد حمید شاہد، ''ٹوبہ ٹیک سنگھ؛ کچھ نئی پرانی تعبیریں'' مشمولہ سعادت حسن منٹو جادوئی حقیقت نگاری اور آج کا افسانہ، کراچی: شہرزاد پبلی کیشنز، ۲۰۱۳، ص ۱۱۳
- ایضاً ص ۱۱۷
- ایم خالد فیاض، '' ٹوبہ ٹیک سنگھ۔۔۔ نئی تعبیر (ایک محاکمہ)'' مشمولہ ٹوبہ ٹیک سنگھ کا منٹو،، ص ۱۹
- خالد محمود سنجرانی، '' تنقیدی محدودات اور ٹوبہ ٹیک سنگھ''، مشمولہ انگارے، کتابی سلسلہ ۲۵، سعادت حسن منٹو نمبر، ملتان: عاتکہ پرنٹنگ پریس، جنوری ۲۰۰۵ء، ص ۱۰۳
- ایضاً ص ۱۰۶
- پرویز انجم، '' سرزمین پنجاب کا قدآور افسانہ، ٹوبہ ٹیک سنگھ '' مشمولہ ٹوبہ ٹیک سنگھ کا منٹو، ص ۴۴
- ص ۴۶
- ص ۵۲
- ن۔م۔دانش، '' منٹو ٹوبہ ٹیک سنگھ اور شناخت کا بحران'' مشمولہ ٹوبہ ٹیک سنگھ کا منٹو، ص ۱۵۱، ۱۵۲
- ایضاً، ص ۱۶۰، ۱۶۱
- ایضاً، ص ۱۷۸

☆☆☆